Fikr-o-Nasar (Islamabad) 17:12 (1980)

کتب خانے

عظمت علی صدیقی

اسلام کے ظہور سے پہلے بھی کتب خانوں کا وجود ملتا ہے لیکن اس وقت کتب خانوں کے قیام کے لئے وہ وسائل موجود نہیں تھے جو آج ہمیں میسر ہیں۔ انسان اپنی یادداشتوں کو پتھر، پوستین، پیپیرس (PAPYRUS) مٹی کی تختیوں، چمڑے کے صاف ستھرے ٹکڑوں، دھاتوں کے کتبوں، درختوں کے پتوں اور ان کی چھالوں پر محفوظ کرتے تھے۔ چنانچہ تہذیب انسانی کے ابتدائی نقوش ہم کو اسی صورت میں ملتے ہیں۔ ماہرین آثار قدیمہ کی تلاش اور جستجو نے انسانی تہذیب کے جن پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے ان سے پتہ چلتا ہے کہ انسان نے سب سے پہلے مٹی کی تختیوں پر اپنی داستانیں محفوظ کیں۔ ان میں رزمیہ نغمے، لوک کہانیاں اور روزمرہ زندگی کے ہزاروں واقعات شامل ہیں۔ مورخین نے ماہرین آثار قدیمہ کے تعاون سے نوع انسانی کی مربوط تاریخ قلمبند کی ہے۔ ان میں سب سے پہلی تہذیب جس کا باقاعدہ ریکارڈ تحریری صورت میں پایا جاتا ہے اس کے باقیات میں نینوا کے بادشاہ اشور بانی پال کا کتب خانہ ہے جس کی ۲۲ ہزار تختیاں آج بھی برٹش میوزیم میں محفوظ ہیں۔ یہ تختیاں باقاعدہ دو علیحدہ شعبوں میں رکھی ہوئی پائی گئی تھیں۔ ایک شعبہ کی تختیاں علوم سماوی پر مشتمل ہیں اور دوسری تاریخی حکایات اور رزمیہ نظموں پر۔

اسکندریہ میں بطلیموسیوں کا مشہور کتب خانہ پیپرس کی دستاویزات پر مشتمل تھا جس کو خود تنگ نظر پادریوں نے جلا کر خاکستر کر دیا۔ اس کتب خانے کے انتظام کے لئے باقاعدہ عملہ متعین تھا جو اس کی تقسیم و ترتیب کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ ہندوستان میں تنجور اور بڑودہ کے کتب خانوں میں پندرھویں صدی کی تحریریں موجود ہیں جن میں آٹھ ہزار نادر قلمی نسخے کھجور کے پتوں پر ہیں۔

ہر چند عہد قدیم میں کتب خانوں کی موجودگی کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن اس وقت عام انسانوں کو کتب خانوں سے استفادہ کا حق حاصل نہیں تھا۔ ہندوستان میں نیچ ذات کے لوگوں کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ اس لئے ڈال دیا جاتا تھا کہ وید مقدس کے اشلوک ان کے کانوں تک نہ پہنچنے پائیں، ۱۵۰۰ تک متمدن یورپ میں بھی کتب خانے صرف دانشوروں کے لئے مخصوص تھے۔ لیکن اس کے برخلاف جب اسلام کی روشنی دنیا میں پھیلی تو تاریکی چھٹنے لگی۔ علم و فضل کی مسندیں سجائی گئیں۔ مسلمان صاحب سیف ہی نہیں صاحب دانش اور صاحب قلم بھی تھے۔ عہد نبوی میں متعدد صحابہؓ قبائل میں درس و تدریس کے لئے بھیجے جاتے تھے تاکہ کفر کی جہالت سے نکل کر لوگ ایمان کی روشنی کی طرف لوٹ آئیں۔ چنانچہ اس معرکہ دست وغیرہ میں بہت سے صحابہ کرامؓ کام آئے لیکن یہ مشن اپنی جگہ پھر بھی جاری رہا۔

مسلمانوں کی یہی طلب اور جستجو تھی جس نے ہر جگہ علم کی شمعیں روشن کیں ARAB CIVILIZATION کا مصنف JOSEPH HELL بڑے والہانہ انداز میں عہد خلفائے راشدین میں مسلمانوں کے تعلیمی نظام کا ذکر کرتا ہے۔ یہ مدارس جو زیادہ تر مساجد میں قائم ہوئے تھے بعد میں بڑھتے بڑھتے یونیورسٹیوں کے درجے تک پہنچے ان میں بصرہ، کوفہ، دمشق، بغداد، نیشاپور، حران اور مرو کی مشہور عالم درسگاہیں پہلے مساجد ہی میں قائم کی گئی تھیں۔ ان تمام درسگاہوں کے ساتھ ساتھ عظیم الشان کتب خانے ہوتے تھے، جن کی نگرانی فاضل اساتذہ کے سپرد ہوتی تھی جو ان کی تہذیب و ترتیب کے ذمہ دار ہوتے تھے۔

دوسری اور تیسری صدی ہجری میں احادیث نبوی کے چھ مشہور مجموعے مرتب ہوئے جن میں امام بخاری محمد بن اسمٰعیل (۲۵۶ - ۱۹۴ھ) کی الصحیح البخاری سب سے زیادہ مستند ہے۔ امام بخاری نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے ۷۲۷۵ حدیثیں چھانٹیں جن کو مضمون کے اعتبار سے مختلف ابواب میں تقسیم کیا تاکہ طالبان علم کو ہر موضوع پر ایک ہی جگہ تمام مواد فراہم ہو جائے، اس کے بعد جو مجموعے مرتب ہوئے ان کی ترتیب و تہذیب میں امام بخاری ہی کی پیروی کی گئی تھی۔

علوم اسلامیہ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے دوسرے علوم بھی سیکھے یونانیوں کا فلسفہ مسلمانوں ہی کی کاوشوں کی

بدولت ہم تک پہنچا ہے۔ کندی، فارابی، ابن سینا اور ابن رشد نے یونانی علوم کو اسلامی قالب عطا کیا۔ ان کو نصاب میں داخل کیا اور ان علوم کی تدریس کا بلاد اسلامیہ میں معقول انتظام کرایا۔ ابن سینا، نوح بن منصور سامانی، سلطان بخارا کے کتب خانہ کا مہتمم تھا۔ یہ بہت زیرک اور صاحب فہم فلسفی تھا۔ اس نے ہر موضوع پر کتاب لکھی ہے جن کی تعداد ۹۹ بتائی جاتی ہے۔ یہ ان ہی لوگوں کی کاوشوں کا نتیجہ ہے جنہوں نے یونانی عقلیات و دانش کو لائق فہم طریقہ پر مدون کر کے مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ دراصل مسلمانوں نے ان یونانی مفکرین ہی کو زندگی ہی نہیں بخشی بلکہ ان کے کارناموں کو بھی حیات جاویداں عطا کی تھی۔

الغرض مسلمانوں نے تاریخ، فلسفہ، طب، علم ہیئت و نجوم، ریاضی، کیمیا اور موسیقی میں بے شمار کتابیں لکھیں اور بڑے بڑے نامور اساتذہ پیدا کیے جنہوں نے اپنی ذہانت اور انتھک کوششوں کی بدولت ان علوم کو زمین کی پستیوں سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔

بلاشبہ کاغذ کی ایجاد کا سہرا چینیوں کے سر ہے۔ سب سے پہلا چھاپہ خانہ بھی چین ہی کی ایک خانقاہ میں قائم ہوا تھا۔ مسلمانوں نے آٹھویں صدی عیسوی میں کاغذ سازی کا علم چینیوں سے سیکھا۔ اس وقت دنیا کی سب سے متمدن قوم مسلمان ہی تھے جنہوں نے علم کی ترویج کا کام فریضۂ مذہبی سمجھ کر انجام دیا۔ دراصل ملت اسلامیہ کے ایک بڑے حصّے نے اپنی زندگی ترویج علم کے لئے وقف کر دی تھی۔ بلاد اسلامیہ کے کونے کونے میں آٹھویں صدی عیسوی تک کاغذ بننے لگا تھا۔ جس کے باعث بے شمار افراد نے فن خطاطی میں کمال حاصل کیا۔ یورپ میں کاغذ کی صنعت تیرھویں صدی میں مسلمانوں ہی کے ذریعہ پہنچی۔ کاغذ کی صنعت نے انسانی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔ وحشت اور بربریت رفتہ رفتہ تہذیب اور شائستگی سے آشنا ہوئی اور آج انسانیت کو جو معراج حاصل ہوئی ہے اس میں مسلمانوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ مسلمانوں کی سیاسی اور ثقافتی سرگرمیوں کا محور ترویج علم اور حصول علم تھا۔ چنانچہ پروفیسر فلپ حتی رقمطراز ہے۔

"مسلمانوں کی زندگی کے اس انوکھے پن نے کہ اس میں سیاسی مجالس اور تھیٹر کا فقدان تھا جو

یونان اور روما کے امتیازی پہلو سے کتابوں کو علم کا واحد ذریعہ بنا دیا۔"

مسلمانوں کی علمی فتوحات کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ وہ قوم جو صحرائے عرب سے انتہائی بے سروسامانی میں اٹھی تھی صرف چالیس سال کے مختصر عرصہ میں اقلیم علم وفضل پر چھا گئی جس نے اپنے ہی سرمایہ علم کی ترویج نہیں کی بلکہ اپنے پیش رو تمدن اور معاشرے کے تمام نقش ونگار کو محفوظ کیا ان کو دنیا سے روشناس کرایا۔ ان پر گراں قدر حواشی لکھے اور ان کے نامور مصنفین کو حیات جاویداں بخشی۔ گو ان میں سے بہت سی تصنیفات مرور ایام کے باعث دنیا سے ناپید ہو گئی ہیں لیکن ماہرین کتابیات نے ان کا تذکرہ اس انداز سے کیا ہے کہ کتاب اور صاحب کتاب کے تمام خدوخال اس سے واضح ہو جاتے ہیں۔ صرف الفہرست مصنفہ ابن ندیم ہی میں بہت سی ایسی کتابوں کا ذکر ملتا ہے جو آج موجود نہیں ہیں لیکن ان کے متعلق سیر حاصل تذکرہ موجود ہے۔

مسلمان جو ایک متحد قوت بن کر ابھرے تھے اپنے اس اتحاد اور اشتراک کو زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رکھ سکے۔ ان کی ناچاقیوں سے ملت اسلام کا شیرازہ بکھر گیا لیکن ان میں معارف پروری اور علم دوستی کی روایت عام تھی۔ ہر جگہ مسلمانوں نے نادر کتب خانے قائم کئے جن سے استفادہ کی ہر خاص وعام کو اجازت تھی۔ قلمی مخطوطات ایک ملک سے دوسرے ملک میں جا کر بیش قرار قیمتوں پر فروخت ہوا کرتے تھے جس سے صاحبان علم کی سرپرستی ہوتی تھی۔ معاش کے راستے ہر ملک وملت کے علماء کے لئے کھلے ہوئے تھے۔ شاہان اسلام خود علم کی دولت سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ آج بھی ہزاروں مخطوطات ایسے ملتے ہیں جن پر ان کے دستخط اور مہریں ثبت ہیں۔ یہ سلسلہ ابتدا ہی سے جاری تھا اور آخری دور تک جاری رہا۔ شاہان مغلیہ کے آخری زمانہ میں بھی شاہی کتب خانوں کے سوا شہزادوں اور درباریوں کے الگ الگ کتب خانوں کا پتہ چلتا ہے جن میں سے شہزادہ سلیمان جاہ اور شہزادہ عظیم الشان کے کتب خانوں کے مخطوطات آج بھی ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں ہر کتب خانہ میں خطاط اور جلد ساز متعین ہوتے تھے، خطاط نادر کتابوں کی نقول تیار کرتے اور جلد ساز ان کتابوں کی درستگی اور جلد سازی کے کام کے لئے مقرر تھے، ان کتب خانوں میں بے شمار کتابیں ایسی ملتی ہیں

جو خوشخط مطلا و منقش ہیں جن پر زر کثیر خرچ کیا گیا تھا اور جو آج بھی فن کاری کا نادر مرقع ہیں۔ ان میں خاص خاص قسم کی طلاکاری و گلکاری کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

کتب خانوں کی ترتیب و تنظیم کا کام کتب خانوں کے منتظمین کے فرائض میں شامل تھا، ہر کتاب باقاعدہ رجسٹر کی جاتی تھی۔ اس پر کتاب کا نمبر دیا جاتا تھا اور پھر اس کی نفس مضمون کے اعتبار سے درجہ بندی کی جاتی، منتظم کتب خانہ کا شمار فضلاء روزگار میں ہوتا تھا۔ کتب خانوں کے منتظمین علم کے ہر شعبہ پر کافی دستگاہ رکھتے تھے، بیشتر کتابوں کے مصنف منتظم کتب خانہ ہی ہوتے تھے، ابن سینا اور جاحظ جو آج مسند علم و ادب کے آفتاب کہلاتے ہیں اسی پیشے سے تعلق رکھتے تھے۔

مسلمانوں میں فن کتاب داری کی اعلیٰ روایات ملتی ہیں۔ بلاد اسلامیہ میں ہر جگہ مکاتب کے ساتھ ساتھ اعلیٰ قسم کے کتب خانے ہوتے تھے، علاوہ ازیں ادارۂ اوقاف کی طرف سے ہر جگہ عوامی کتب خانے قائم کئے جاتے تھے، جن میں طلباء، محققین اور علماء کے لئے علیحدہ علیحدہ بیٹھنے کا انتظام ہوتا تھا، مہتمم کتب خانہ ان کے لئے ہر قسم کے لوازمات فراہم کرنے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ قلم و دوات تک ان کتب خانوں میں محققین اور علماء کے لئے موجود ہوتی تھیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ دور دراز ملکوں سے خطاط کے ذریعہ مخطوطات کی نقول منگائی جاتی تھیں تاکہ تحقیق و تدریس کے کام میں آسانی پیدا کی جائے۔ امراء اور صاحب ثروت اصحاب اپنے ذاتی کتب خانے محققین کو استعمال کرنے کی اجازت دے دیا کرتے تھے۔ بلاد اسلامیہ میں ہر جگہ بے شمار کتب خانے موجود تھے، ترکی، ایران، تیونس، مراکش، عراق، مصر اور شام میں ان کی بہتات تھی۔ یورپ میں علم کی شمع خلفائے اندلس کی معارف پروری کی بدولت روشن ہوئی۔ یہیں کی درسگاہوں سے علمائے یورپ نے علم حاصل کیا اور آج یورپ جن مراتب جلیلہ پر فائز ہے اس میں مسلمانان اندلس کا بہت بڑا حصہ ہے۔ غرناطہ اور قرطبہ جو اندلس میں مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کے مراکز تھے ان کی عظمت و جبروت کے شاہد ہیں۔ اسپین میں مسلمانوں کی شکست دراصل انسانی تہذیب کا ایک بڑا سانحہ ہے۔ متعصب اور تنگدل پادریوں نے عیسائیت کی

لقا کے نام پر وہاں جو مظالم کیے گئے تھے زبان قلم ان کو بیان کرنے سے قاصر ہے۔ مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ اسپین میں مسلمانوں کی شکست کے بعد ان کے علمی سرمایہ کو جس بے دردی کے ساتھ پائمال کیا گیا اس کی مثال ملنا دشوار ہے۔ ہزاروں کتب خانوں کو جلا دیا گیا۔ بعض مقامات پر تو یہ کتب خانے کئی کئی ماہ تک جلائے جاتے رہے تاکہ مسلم ثقافت کا کوئی نشان اس سرزمین پر باقی نہ رہنے پائے۔

برصغیر ہند و پاکستان میں نسبتاً امن رہتا تھا۔ اس لئے یہاں دور دراز سے علماء و فضلاء ہر دور میں آتے رہے ہیں۔ راس کماری سے لے کر کوہ ہندوکش تک ہر جگہ ان کا استقبال ہوتا تھا۔ البیرونی، ابن بطوطہ، فرشتہ الغرض بے شمار سیاحوں نے اس سرزمین پر قدم رکھا۔ ان کے تذکروں سے اس حقیقت کا علم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے ہر گوشے میں معارف پروری عام تھی، عہد مغلیہ علم و ہنر کی ترقی کے لئے خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس کا بانی بابر صاحب شمشیر ہی نہیں صاحب قلم بھی تھا۔ اس کا کتب خانہ میدان جنگ میں بھی اس کے ساتھ رہتا تھا۔ جوں ہی جنگ و جدل سے فراغت ہوتی وہ محفل علم آراستہ کرتا تاکہ خون آشامی کی یاد دل سے محو ہو جائے اور کلفتوں کا غبار باقی نہ رہنے پائے۔ ہمایوں خود نجوم و ہیئت اور ادب کا شیدائی تھا۔ جب ہندوستان میں اس پر کوہ الم ٹوٹا تو اسے راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ راجپوتانہ کے ریگ زاروں میں عرصہ تک بھٹکتا رہا۔ دوست آشنا سب بیگانے ہو گئے تاریخ گواہ ہے کہ اس تیرہ بختی میں بھی کتب خانہ اس کے ساتھ تھا۔ اور جب وہ ہندوستان واپس آیا اور فتحمندی نے اس کے قدم چومے تو اس عالم کیف و مستی میں بھی اس کا زیادہ وقت کتب خانے ہی میں گذرتا تھا۔ جہاں بالآخر کتب خانہ کی سیڑھیوں سے گر کر ہی اس نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

اکبر، جہانگیر، شاہجہاں، اورنگ زیب اور ان کے جانشینوں کی معارف پروری اور علم دوستی نے اطراف عالم سے صاحبان علم و فن کو ہندوستان بلایا جن میں سے ہزاروں اسی سرزمین میں پیوند خاک ہوئے۔

بادشاہوں کے علاوہ بعض امراء اور ان کے دربار سے وابستہ صاحبان جود و سخا بھی کتب خانوں کے قیام میں دلچسپی لیتے تھے، چنانچہ مآثر رحیمی نے خانخاناں کے کتب خانہ کا تذکرہ جابجا بڑے فخریہ اور

دلچسپ انداز میں کیا ہے۔ خانخاناں علم دوستی کے ساتھ ساتھ شاعرانہ مزاج بھی رکھتا تھا۔ اس نے احمد آباد میں ایک کتب خانہ قائم کیا تھا جس میں فنی خدمات پر بڑے بڑے صاحبانِ علم و فضل مامور تھے۔ اس کتب خانہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں اس کے دربار سے وابستہ تمام شعراء کے دیوان خود ان کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔ خود اس کو شعر و شاعری سے نسبت خاص تھی۔ وہیں شعر و سخن کی مجالس گرم کرتا جس میں ہر شاعر طرح میں غزل کہتا۔ خود بھی ان کے ساتھ طرح ہی میں غزل کہتا اور داد سخنوری دیتا۔ بہیں اہل کمال اس کی صحبت اور شاہانہ فیاضیوں سے مستفید ہوتے۔

عہد اکبری کا دوسرا جوہر قابل فیضی تھا۔ اس کو کتابوں سے عشق تھا اس نے ۵۰ سال کی مختصر زندگی میں جس قدر علمی سرمایہ یادگار چھوڑا اس کی مثال نہیں ملتی۔ وہ نہایت وسیع المشرب، خوش مذاق اور قدردان شعر و سخن تھا۔ اس کا ذاتی کتب خانہ ۴۰۰۰ کتابوں پر مشتمل تھا۔ ان میں بیشتر کتابیں مخطوطات کی صورت میں یا تو خود مصنف کے ہاتھ کی یا ان کے زمانے کی لکھی ہوئی تھیں۔ ان کتابوں کی درجہ بندی بڑے سلیقہ سے کی گئی تھی۔ بدایونی نے فیضی کے تذکرہ میں بڑی تفصیل سے ان کا ذکر کیا ہے۔ فیضی نے جس انداز میں مضامین کے اعتبار سے ان کتابوں کی درجہ بندی کی تھی وہ قابل داد ہے اور اس سے اس کی مختلف علوم پر دسترس کا پتہ چلتا ہے فیضی اپنے دوستوں سے کتابوں کی بہم رسانی کی فرمائش کرتا اور جب کوئی نئی کتاب اس کو بھیجی جاتی تو وہ اس پر اپنی پسندیدگی کے ساتھ ساتھ اس کتاب کے متعلق اپنے خیالات اور اس کے مختلف النوع مضامین پر تقریظ و تنقید بھی کرتا۔ ان کتابوں پر جا بجا حواشی لکھتا۔ ان میں سے بعض کتابیں آج بھی موجود ہیں جن کو دیکھ کر فیضی کے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے۔

مغلوں کے زوال کے بعد مسلمانوں کے علمی سرمایہ کی تباہی کی داستان بڑی عبرت انگیز ہے۔ ان میں سے بے شمار کتابیں تلف ہو گئیں۔ جو باقی بچیں وہ یا تو برٹش میوزیم کی زینت بنیں یا حیدر آباد، رامپور، بھوپال اور دوسری اسلامی ریاستوں کو گراں قدر قیمتوں پر فروخت کر دی گئیں۔ دکن میں سلطان ٹیپو کا کتب خانہ جس میں بہمنی، عادل شاہی اور قطب شاہی خاندانوں کے نوادرات محفوظ تھے وہ برطانیہ کے کتب خانوں میں منتقل کر دیئے گئے۔

لیکن اس تباہی کے باوجود ہندوستان میں آج بھی بے شمار کتب خانے ایسے ہیں جو ہمارے سرمایہ علمی سے معمور ہیں۔ ان کتب خانوں میں کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد، بھوپال اور رامپور کے کتب خانوں کے علاوہ خدابخش لائبریری بانکی پور پٹنہ، مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ، ندوۃ العلماء لکھنؤ، علمائے فرنگی محل اور دارالمصنفین اعظم گڑھ کے کتب خانے آج بھی ہماری علمی کاوشوں کے امانت دار ہیں۔

مسلمان اپنے کتب خانوں کی زینت اور ان کے انتظام و انصرام کے لئے خاص اہتمام کرتے تھے، طالبان علم اور محققین کے لئے ان کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے تھے، ان کے کتب خانوں نے یورپ کے ویرانوں کو آباد کیا۔ ان کے تاریک گوشے علم کی ضوفشانی سے منور ہوئے۔ لیکن افسوس کہ یہ آفتاب علم ایک ہزار سال تک مسند رشد و ہدایت پر اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر رہنے کے بعد گہنا گیا۔ آج ان کی مسندیں خالی پڑی ہیں۔ ان کے کتب خانے ویران ہیں۔ ان کی محفلیں سونی ہیں۔ جن کو دیکھ کر چشم عبرت خون کے آنسو روتی ہے۔

صنعتی انقلاب کے بعد یورپ سے علم کی ضوفشانی ہو رہی ہے۔ امریکہ نے جو کہ یورپ کے نوآبادکاروں کا مولد ہے اشاعت علوم کا بیڑا اٹھایا ہے، اب کتب خانوں کی تنظیم و ترتیب نے ایک فن کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اسلامی ممالک میں سے بیشتر ممالک نے ان کی تقلید شروع کر دی ہے جس سے کتب خانوں کی ترتیب و تنظیم کا پرانا نظام فرسودہ ہو گیا ہے۔ ہر جگہ ڈیوی کا اعشاریائی نظام رائج ہے جس میں پہلے اسلامی علوم کے لئے بہت کم گنجائش رکھی گئی تھی لیکن اب سترھویں ایڈیشن میں استاد مکرم جناب پروفیسر محمد شفیع قدس سرہ العزیز کی تجاویز کو بعض ترمیم و اضافہ کے بعد شامل کر لیا گیا ہے جس سے مضامین میں وسعت پیدا ہو گئی ہے اور پہلے ایڈیشنوں کی نسبت یہ ایڈیشن ہمہ گیر ہو گیا ہے۔ تاہم اس میں مزید اضافے کی ضرورت ہے کراچی یونیورسٹی کے فاضل اساتذہ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ ان کی مساعی جمیلہ کی بدولت ملک کی دوسری یونیورسٹیوں میں بھی لائبریری سائنس کی تدریس کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ ان یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل طلباء ملک میں کتب خانوں کو جدید اور سائنٹفک طریقوں پر منظم کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ لیکن اس ضمن

میں ابھی کام کرنا باقی ہے۔ دراصل ہماری ضروریات اس امر کی مقتضی ہیں کہ لائبریری سائنس کو ابتدائی کلاسوں ہی سے مدارس اور مکاتب میں پڑھایا جائے تاکہ آنیوالی نسلیں شروع ہی سے کتب خانوں کی افادیت سے آگاہ ہو سکیں۔

خدا کا شکر ہے کہ پاکستان کے بیشتر کتب خانے جدید سائنسی بنیاد پر منظم کئے جا رہے ہیں ماسوا ان نجی کتب خانوں کے جو صاحبان ثروت کی ذاتی ملکیت ہیں یا وہ کتب خانے جو مدارس کی تحویل میں ہیں۔ ان کتب خانوں میں ابھی تک تنظیم و ترتیب کا وہی پرانا روایتی نظام قائم ہے اس نظام کی افادیت سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا لیکن اس کو بدلنے کی ضرورت ہے اور ان کتب خانوں کو بھی نئے انداز پر منظم کرنے کی ضرورت ہے۔

Fikr-o-Nasar (Islamabad) 17:12 (1980)

تبصرہ کتب

نام کتاب۔ اسلامی حدود

مؤلف۔ مولانا سید محمد متین ہاشمی ایم اے

ناشر۔ شعبہ تصنیف وتالیف انجمن اصلاح المسلمین پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ

مطبع۔ اسلامی السعودی مرنگ چونگی۔ لاہور

قیمت۔ ۳۵ روپے

ملنے کا پتہ۔ کتب خانہ شان اسلام راحت مارکیٹ۔ اُردو بازار۔ لاہور

پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ خصوصاً حدود شرعیہ کے اجراء کے بعد اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اسلامی حدود کی وضاحت کے سلسلے میں کوئی عام فہم لیکن معیاری کتاب شائع کی جائے تاکہ شرعی عدالتیں اور قانون کے پیشہ سے تعلق رکھنے والے اصحاب استفادہ کر سکیں۔

مولانا محمد متین ہاشمی قابل صد مبارک باد ہیں کہ انہوں نے پوری محنت اور کاوش کے بعد وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ انہوں نے کتاب کے بنیادی اور مرکزی عنوانات و ابواب سے قبل شرعی حدود کے فلسفہ پر عقلی انداز سے بحث کی ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام فرد کی اصلاح کے ذریعے معاشرہ اور قوم کی اصلاح کی طرف قدم بڑھاتا ہے، صالح افراد کے بغیر پر امن متوازن اور مثالی معاشرے کا تصور بے معنی ہے۔

زیر نظر کتاب میں اس بحث کو خاصی تفصیل اور وضاحت سے بیان کرنے کی ضرورت تھی لیکن فاضل مؤلف نے نہ معلوم کیوں صرف حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ کے ایک اقتباس پر اکتفا کیا۔

کتاب سات ابواب اور عنوانات پر مشتمل ہے۔ باب اول میں "زنا"، اس کی مختلف صورتیں، گواہی